پہلا باب

سلطنتِ مغلیہ کا زوال اور خاتمہ

اورنگ زیب اور ان کے جانشین

پچاس سال تک اورنگ زیب کے ہاتھ میں ایک ایسی مملکت کی باگ رہی جس کی ہمسری کا دعویٰ کیا باعتبار رقبہ، کیا باعتبار آبادی اور کیا باعتبار دولت اس عصر کی پوری دنیا کی مملکتوں میں سے کوئی بھی نہ کر سکتی تھی۔ اپنے انتہائی پیچیدہ فرائض کے ادا کرنے میں اس نے جس لگن، محنت، ہمت اور استقلال کا اظہار کیا وہ اس کو تاریخ کے ایک عدیم المثال حکمران کی حیثیت سے ممتاز کرتا ہے۔ اس کی ذاتی زندگی ایک نیک انسان کا نمونہ تھی وہ ان تمام برائیوں سے بری تھا جو ایشیا کے بادشاہوں اور شہزادوں میں عام طور سے پائی جاتی تھیں۔ وہ سادگی کی زندگی بسر کرتا تھا نہیں نہیں بلکہ وہ زندگی کی ضروریات کا بھی تارک تھا۔ وہ کھانے پینے میں لباس اور زندگی کی تمام ضروریات میں رُوکھے پھیکے موٹے بھدے پر قناعت کرتا تھا۔ بادشاہت کے نظم و نسق کے بھاری کاموں میں مشغول ہونے کے باوجود وہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لیے قرآن کی نقل کرنے اور ٹوپیاں سینے کے لیے وقت نکال لیتا تھا۔ اپنی آخری وصیت میں اپنے تجہیز و تکفین کے اخراجات کے متعلق اس کی ہدایت یہ تھی کہ "چار روپے اور دو آنے ٹوپیوں کی قیمت میں سے بچ رہے ہیں جو میری سی ہوئی آیا بیگ محلدار کے پاس ہیں اس کو لے لو اور اس بے کس مخلوق کے کفن پر خرچ کرو۔ تین سو پانچ روپے اس اجرت سے بچے ہیں جو قرآن کی نقل کرنے کے صلہ میں مجھکو ملے ہیں وہ میرے ذاتی اخراجات کے لیے میرے بٹوے میں ہیں اسے میری موت کے دن فقرا میں تقسیم کرو"

(۱) اس کے روزمرہ کے اوقات اپنے اوپر سختگیری پر مبنی تھے اور چوبیس گھنٹے میں صرف تین

لمحہ سونے کے لیے دیتا تھا (2) وہ جس طرح اپنے اوپر سخت تھا اسی طرح دوسروں سے بھی کام لینے میں سخت گیر تھا۔ اپنے وسیع نظم و نسق کے جزئیات تک کی وہ نگرانی کرتا تھا اور ہر فوجی مہم کی وہ بذات خود رہبری کرتا تھا۔ اس کے پاس نہ ختم ہونے والی توانائی اور کبھی نہ مغلوب ہونے والی قوتِ ارادی تھی۔

لیکن بے پناہ محنت، راتوں کی نیند حرام کرکے خبردار رہنے کی جفاکشی اپنی خشک زاہدانہ پاکبازی عینیت منتظم اپنی شک سے بالاتر اہلیت اور ممتاز مدبر اور جنرل ہونے کے باوجود اس کی حکومت ناکامیاب رہی وہ اس کو جانتا تھا۔ اپنے دوسرے بیٹے اعظم کو جو اس نے آخری خط لکھا ہے اس میں اس نے اس کا اقبال کیا ہے کہ "میں نے اپنے عہد میں کوئی صحیح حکومت نہیں کی نہ کاشتکاروں کی صحیح پرورش و پرداخت کر سکا زندگی جو اس درجہ قیمتی ہے بلا کسی نتیجہ کے ضائع ہوگئی (3)

مرنے سے کچھ ہی پہلے اورنگ زیب نے اپنی حکومت اپنے تین لڑکوں معظم، اعظم اور کام بخش تقسیم کردی تھی۔ لیکن ابھی اس کی آنکھ پوری طرح بند بھی نہ ہوئی تھی کہ تخت کی وراثت کے لیے ان میں اختلافات رونما ہوگئے۔ بھائیوں کی باہمی کشمکش میں معظم نے اپنے کو کامیاب ثابت کیا اور وہ تخت حکومت پر "بہادر شاہ" کے لقب کے ساتھ جلوہ افروز ہوا۔ اس کی حکومت مختصر تھی چار سال حکومت کرکے وہ 1712ء میں مرگیا۔ اس کے بعد دوبارہ تخت کی جانشینی کے لیے جنگ شروع ہوگئی۔

بہادر شاہ کے چاروں لڑکے ایسی نازیبا جلدی میں تھے کہ بوڑھے کی لاش ایک ماہ تک دفن نہ ہو سکی یہ جنگ آخر میں دو کے درمیان مقابلہ ہوگئی ایک طرف "عظیم الشان" دوسرے صاحب زادے تھے جو کل بیٹوں میں سب سے زیادہ لائق تھے اور دوسری طرف "جہاندار شاہ" تھا جو ایک عیاش نفس پرست انسان تھا۔ لیکن جنگی کارروائیوں میں عظیم الشان کی حماقت اور تساہلی اور ذوالفقار علی خاں کی جو ایرانی پارٹی کا لیڈر تھا اور شاہی فوج کے میر بخشی کی ماہرانہ سپہ سالاری نے جہاندار شاہ کے لیے تخت کو جیت لیا۔

---

(1) سرکار جدوناتھ۔ ہسٹری آف اورنگ زیب جلد 5 صفحہ 264

(2) " ۔ اسٹڈیز ان اورنگ زیبس ریَن صفحہ 38

(3) " ۔ ہسٹری آف اورنگ زیب صفحہ 259

جہاں دارشاہ کے تخت نشین ہونے کے بعد ایک نیا لیکن ناپاک عنصر مملکت کی سیاست میں داخل ہوا۔ اب تک تخت کی جانشینی کی کشمکش میں شہزادگان بذات خود بالمقابل ہوتے تھے لیکن اب وہ پس پردہ چلے گئے۔ اس کے بجائے حوصلہ مند امرا اور بڑے بڑے عہدیدار اور گروہوں کے سرغنہ طاقت کے حصول میں اصل مقابلہ کرنے والے ہو گئے۔ وہ شہزادوں کو برائے نام سربراہ کی حیثیت سے محض اس لیے ظاہر کرتے اور ان کا نام دکھاوے کے لیے بطور اصل حریف اس لیے استعمال کرتے تھے کہ ان کے نام سے اعزاز وابستہ تھا اور شاہی مہر احکام اور فیصلوں کو قانونی حیثیت دیتی تھی یہ طاقتور عہدیداران "سلطان گری" کا کام کرتے۔ اختیارات اور سرپرستانہ اقتدار کو خود برتتے اور خوب دولت جمع کرتے تھے۔ اس اندرونی جنگ کا سیلاب شہنشاہیت کے عظیم قصر کو بہا لے گیا۔

جہاندار نا عاقبت اندیش اوباش اور فضول خرچ تھا۔ ایک پاگل، بھنگ کھانے والا۔ اس نے ایک عیاش اور زنانہ شاہی درباری زندگی کی مثال پیش کی اور حکمران جماعت کے اخلاق کو برباد کر دیا۔ اس کے اثرات نے نہ صرف پرانی شہنشاہانہ عظمت کا پھر واپس آنا ناممکن بنا دیا بلکہ ایک معمولی رقبہ کی آزاد حکومت کی بقا کے تمام امکانات کو بھی ختم کر دیا۔

بادشاہ کی حیثیت گھٹ کر محض ایک کھلونا کی بن گئی اور کل اختیارات وزیر اور وزرا کے ہاتھ میں چلے گئے۔ ان لوگوں نے اپنے اختیارات اپنے نائبوں کو تفویض کر دیئے اس طرح ذمہ داری بٹ گئی اور وزیر با اختیار کے ارادے وخیال کے مطابق عہدے ایک شخص سے دوسرے شخص کو منتقل ہوتے رہتے تھے۔ جن لوگوں کو یہ عارضی عہدے ملتے تھے وہ ان مواقع سے فائدہ اٹھا کر تیزی سے نفع خوری کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نظم ونسق نظر انداز کر دیا گیا۔ اور لاقانونیت پھیل گئی۔ تخت کے بہت سے حقداروں کے ظاہر ہونے اور بادشاہوں کی پے درپے تبدیلیوں سے شاہی اقتدار کا پورا تخیل ہی معدوم ہو کر رہ گیا۔

اپنی گیارہ ماہ کی حکومت میں جہاندار شاہ نے اس خزانہ کا بیشتر حصہ جو اس کے پیش روؤں نے جمع کیا تھا فضول خرچ کر دیا۔ سونا چاندی اور دوسری بیش بہا چیزیں جو بابر کے زمانہ سے جمع کی گئی تھیں ادھر ادھر کر دی گئیں۔

اس کے بعد بارہہ کے سیدوں نے فرخ سیر کو بادشاہ کے خلاف کھڑا کیا بادشاہ فوج کو چھوڑ چھاڑ کر اپنی منظورِ نظر مدخولہ لال کنور کے ساتھ میدان سے بھاگ نکلا۔

بدقسمتی سے فرخ سیر ایک قابلِ نفرت کردار ثابت ہوا۔ وہ وعدوں کے پورا کرنے میں بدعہد، اپنے محسنوں کا ناشکر گذار، سازشوں میں سفاک، متلونِ مزاج بزدل اور ظالم تھا وہ اپنے خاص منظور نظر میر جملہ اور خاں دوراں خاں کے کہنے پر چلتا تھا۔ اس نے سید برادران سے جھگڑا شروع کر دیا اور حقیقی طاقت کے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ سید برادران جنہوں نے اپنی شک و شبہ سے بالاتر اہلیتیں اور عظیم وسائل اس کو دیئے تھے قدرتاً گورنمنٹ پر اور بالخصوص تقرریوں کے معاملات اور مالِ غنیمت پر مکمل اقتدار کا مطالبہ کرتے تھے۔

روز بروز یہ تصادم تلخ ہوتا گیا سید برادران کے اقتدار کو اُتار پھینکنے کے لیے فرخ سیر نے دھوکہ دہی اور حد سے زیادہ نفرت انگیز قسم کی سازش شروع کی۔ راجپوتانہ کی بغاوت فرد کرنے کے لیے حسین علی شاہی افواج کا سردار مقرر کیا گیا۔ اسی وقت جودھ پور کے باغی راجہ جیت سنگ راٹھور کو خفیہ خطوط لکھے گئے کہ اگر وہ حسین علی کو ٹھکانے لگا دے تو اُسے بیش بہا انعامات دیئے جائیں گے۔ اس کے بعد دوسری سازش کی گئی دکن کے وائسرائے نظام الملک کو واپس بلا لیا گیا اور یہ صوبہ حسین علی کے چارج میں دیا گیا۔ جب وہ دکن کے راستہ میں تھا تو دکن کے ڈپٹی گورنر داد و خاں کو خفیہ طور پر اُکسایا گیا کہ وہ ان کا راستہ روکے۔ یہ سازش ناکام ہوئی داؤد خاں کو شکست ہوئی اور وہ قتل ہو گیا۔

تین سال اسی قسم کی خفیہ تدبیروں اور جوابی تدبیروں میں گذر گئے۔ بادشاہ نے پے درپے امیر الامرا پر کوشش صرف کی جب کہ عبداللہ کا بھائی دکن میں تھا کہ وہ اس پر ہاتھ ڈالیں مگر کسی کو اس کے اس ناپاک ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ان کے خسر راجہ اجیت سنگھ سے مدد بیس طلب کئے گئے لیکن یہ پُرانے اور ذہین حکمران اپنے داماد کے کردار سے واقف تھے وہ دلّی آئے ضرور لیکن سید عبداللہ کے طرف دار ہو گئے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ نظام الملک اور ان کے چچازاد بھائی محمد امین خاں جیسے مغل امرا کی جماعت اور تورانی پارٹی کے لیڈران متلون مزاج اور ناقابل اعتماد بادشاہ کے خلاف ہو گئے۔

جب ان سازشوں کی سن گن حسین علی کو ملی تو وہ بعجلت تمام شمال کو لوٹا وہ ۱۷۱۹ء میں دلّی اس عزم کے ساتھ پہونچا کہ ان افسوسناک واقعات کا فوراً اور کلیتہً خاتمہ کر دے۔ حسین علی کی فوج میں گیارہ ہزار مرہٹے تھے جس کی کمان پیشوا بالاجی وشوا ناتھ، سیناپتی کھانڈے راؤ وبھادے سنتاجی اور بھونسلہ وغیرہ کر رہے تھے۔ دلّی کا قلعہ اور شاہی محل فرخ سیر کے طرفداروں

سے صاف کر دیا گیا۔ بادشاہ جس نے بزدلانہ انداز میں عورتوں کے کمرے میں پناہ لی تھی کھینچ کر باہر لایا گیا۔ اندھا کر دیا گیا۔ اور ایک تنگ کال کوٹھری میں بند کر دیا گیا۔ چند دن کے بعد، اور اس دوران میں ہر قسم کی ذلت اس پر لادی گئی اُسے بھوکا رکھا گیا مارا پیٹا گیا بتدریج اثر کرنے والا زہر دیا گیا آخر کار، اُسے بدترین اور شرمناک طریقہ سے قتل کر دیا گیا۔

فرخ سیر کی حکومت کے چند برسوں کے اندر مملکت نے زوال کی جانب بڑی تیزی سے قدم بڑھائے۔ ہر جگہ بدامنی نے اپنا گھنونا سر اٹھایا۔ افسران تعلقداروں اور قبائلی جماعتوں کے سربراہوں نے گورنمنٹ کے احکام کی خلاف ورزی شروع کر دی۔ امرا کے دستوں میں دلی کی سڑکوں پر مسلح تصادم ہونے لگے بازار اور سڑکیں چوروں اور ڈاکوؤں سے بھر گئیں فرخ سیر نے یہ نئی مثال قائم کی تھی کہ صوبوں کے محاصل جب خزانہ شاہی کو روانہ کیے جاتے تھے تو وہ راستہ ہی سے ان کو اپنے تغلب و تصرف بے جا میں لے آتا تھا یہ ایک ایسی مثال تھی جو ان حوصلہ مند مہم بازوں پر اثر کیے بغیر نہیں رہ سکتی تھی جو اپنے لیے آزاد ریاستیں بنانے کے لیے مضطرب تھے۔ چنانچہ شاہی احکام کی کھلم کھلا خلاف ورزی ہوتی اور عہدیداران بلا اجازت اپنی جگہیں چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔ قواعد و ضوابط جن پر اورنگ زیب کے زمانہ میں سختی سے عمل درآمد ہوتا تھا پس پشت کر دیے گئے تھے۔ رشوت خوری اور تساہلی کا رواج تھا۔ چونکہ آمدنی کم ہوتی گئی تھی اور جمع شدہ دولت بھی ختم ہو گئی تھی اس لیے تو تنخواہیں چڑھتی گئیں جن فوجیوں کو تنخواہیں نہیں ملیں ان کا انداز باغیانہ ہو گیا۔

سب سے زیادہ قابلِ نفرت منظم گروہوں میں بٹے ہوئے تھے امرا کی رقابت اور ان کا باہمی جذبہ حسد تھا۔ ان گروہوں میں چار اہم تھے تورانی۔ ایرانی۔ افغان اور ہندوستانی۔ اول الذکر تین ان بیرونی لوگوں کی اولاد تھے جو وسط ایشیا ایران اور افغانستان سے ہندوستان آئے تھے اور سول اور ملٹری محکموں میں ان کو ملازمتیں دی گئی تھیں یہ بیشتر خاندان اورنگ زیب کے زمانے میں اپنا وطن چھوڑ کر ہندوستان کی جانب آئے تھے جن کو اعلیٰ عہدے دیئے گئے تھے۔ تورانی جو ماوراء دریائے آکسس Oxlane سے آئے سنی مذہب رکھتے تھے۔ ایرانی ایران کے کے مشرقی اور مغربی صوبوں۔ خراسان اور فارس سے آئے تھے یہ شیعہ تھے۔ افغانی دریائے سندھ کے اس پار کے پہاڑی سرحدی علاقے سے آئے تھے ان میں بہت سے روہیلہ قبیلے سے تھے۔ یہ زیادہ تر سنی تھے ان لوگوں نے متعدد مقامات پر اور خاص کر بریلی اور فرخ آباد میں مستقل سکونت

اختیار کرلی تھی۔ ہندوستانی امرا میں وہ مسلمان خاندان تھے جو اس ملک میں کئی پشتوں سے مستقل طور پر رہتے چلے آرہے تھے اور فطرۃً نئے آنے والوں سے بغض و حسد رکھتے تھے۔

جب تک مرکزی طاقت مضبوط تھی یہ تمام گروہ قابو سے باہر نہیں ہو پائے لیکن بہادر شاہ کی موت کے بعد ان کی اہمیت اور ان کا اثر اس لیے بڑھ گیا کہ تخت کے حریف دعویداروں نے ان سے مدد طلب کرنی شروع کی۔ اٹھارھویں صدی کی تاریخ ان کی سازشوں اور ایسی کہانیوں سے بھری ہوئی ہے کہ کس طرح وہ حیران کن سرعت کے ساتھ وفاداری بدلتے رہتے تھے۔

بادشاہ کی ذات پر تسلط جما کر کے ہی ہر گروہ اپنے مقصد کے حصول کی کوشش کرتا تھا۔ اس غرض کے لیے ہر گروہ کسی بھی ذریعے کو استعمال کرنے اور جہاں کہیں سے مدد مل سکے اس کو فراہم کرنے سے گریز نہیں کرتا تھا۔ مثلاً جب حسین علی نے فرخ سیر کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ مرہٹوں کو لے آیا اور بادشاہ کو بے بس کر کے صرف سوراجیہ پر مہر تصدیق ثبت کرا دی جس کا مطالبہ مرہٹے شیواجی کی فتوحات کی بنا پر کرتے تھے۔ بلکہ ان کو چوتھ اور دکن کی سردیش مکھی (یعنی صوبہ کے کل محاصل کا 35 فی صدی جو اندازاً 18 کروڑ کی گراں قدر رقم ہوتی تھی) عطا کی۔ اگرچہ اس معاملہ کی وجہ سے مرہٹہ ریاست کا حکمران اس وقت سے شہنشاہ معظم کا حلقہ بگوش اور ان کا ایک وفادار خادم بن گیا پھر بھی یہ تو ہوا ہی کہ ان کو ان محاصل تک دسترس حاصل ہو گئی اور مملکت کے معاملات میں دخل اندازی کا بہانہ ہاتھ آ گیا۔

سید برادران زیادہ مدت تک اپنی فتح کا لطف نہ اٹھا سکے۔ محمد شاہ جس کو ان لوگوں نے تخت پر بٹھایا تھا ان کی سرپرستی کو ناپسند کرتا تھا۔ تورانی جماعت کے لیڈر نظام الملک گورنر دکن اور ان کے نسبتی بھائی عبدالصمد خاں گورنر لاہور نیز ایرانی گروہ کے سربراہ بھی سیدوں کے غلبہ سے تنگ آ چکے تھے ان سب نے فیصلہ کیا کہ ان کو ختم کر دیا جائے۔ سیدوں کو جب یہ رپورٹیں ملیں تو انھوں نے ان سب کو ان کے عہدوں سے ہٹا دینے کے لیے قدم اٹھایا لیکن نظام الملک کے خلاف جو فوج انھوں نے بھیجی وہ ہار گئی اور اس کا سپہ سالار قتل ہو گیا۔ تب حسین علی محمد شاہ کو اپنے ہمراہ لے کر نظام الملک کو دبانے کے لیے بذات خود روانہ ہوا محمد امین خاں نے جو سید حسین علی کے ہمراہ اس کے نائب بخشی کی حیثیت سے تھا سید کو قتل کر دینے کا منصوبہ تیار کیا۔ اور فتح پور سیکری سے فوج کے روانہ ہونے کے بعد اس پر عمل ہو گیا اور حسین علی قتل کر دیا گیا (1720ء)

عبداللہ غصہ سے پاگل ہو گیا اور اپنے بھائی کی موت کا بدلہ لینے کے لیے اس نے محمد شاہ کو معزول

کردنے کا تہیہ کر لیا اس نے بادشاہ کے خلاف ہلہ بول دیا لیکن وہ شکست کھا کر قید ہو گیا دو سال کے بعد اس کو جیل خانہ ہی میں زہر دے دیا گیا۔ اس طرح فرخ سیر کی معزولی کے اکیس ماہ کے اندر ہی یہ دونوں "بادشاہ گر" اپنے کیفر کردار کو پہونچ چکے تھے۔

نوعمر محمد شاہ کو حکومت میں کوئی دلچسپی نہ تھی ذلیل قسم کے مصاحبوں میں گھر اوہ اپنے اوقات فضول کاموں میں صرف کرتا تھا اس نے سلطنت کا ہر کام اپنے وزیر قمر الدین خاں پر جو محمد امین خان کا فرزند تھا چھوڑ دیا تھا۔ لیکن وزیر صاحب کاہل الوجود سست رو اور عیش پسند آدمی ثابت ہوئے۔ دلّی میں کوئی حکومت ہی نہ رہی اسی لیے جب نادر شاہ سے افغانستان کو خطرہ لاحق ہوا اور کابل کے گورنر نے فوجی کمک اور بقایا ادا کرنے کے لیے روپیہ مانگا تو اس کی درخواست پر کوئی توجہ نہ دی گئی۔

قمرالدین کے اختیارات سے حسد کی بنا پر امرا کے قائدین مملکت کے مفاد کے خلاف اس کے دشمنوں سے غدارانہ سازشیں کرنے لگے۔ یہ لوگ اس درجہ بزدل ہو گئے تھے کہ اگر ان کے سپرد کوئی فوجی کام کر دیا جاتا جس میں ذرا بھی خطرہ ہو تو وہ اس سے بھاگتے ان میں کوئی بھی مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ تھا اور جودھ پور کے باغی راجہ کے خلاف مہم پر جانے کا جب حکم ہوا تو ان لوگوں نے بہانے تراشے بادشاہ اور ان کے امرا جو مثال پیش کر رہے تھے اس سے ہر چہار جانب دون ہمتی اور پست اخلاقی پھیل رہی تھی۔

نتیجہ تباہی خیز برآمد ہوا مملکت کا ریشہ ریشہ الگ ہونے لگا بہت سے صوبے عملاً آزاد ہو گئے بہار، بنگال اور اوڑیسہ میں مرشد قلی خاں کی اور اودھ میں سعادت خاں کی دلّی سے وفاداری بس برائے نام رہ گئی۔ کابل اور لاہور کے گورنران کو اپنے ہی وسائل پر بھروسہ کرنا پڑ رہا تھا۔ مرہٹوں نے گجرات مالوہ اور بندیلکھنڈ کا ایک حصہ قبضہ میں کر لیا۔ دوآبہ میں روہیلے خودمختار ریاستیں قائم کرنے لگے۔

راجپوتانہ میں تین سربراہ خاندان تھے ان میں میواڑ کے راجہ سیسودیہ مغل سیاست میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے اگرچہ وہ مغل بادشاہ کے اقتدار اعلیٰ کو تسلیم کرتے تھے۔ جودھ پور کے راٹھور جو جسونت سنگھ کے انتقال کے بعد سے اورنگ زیب کے مخالف تھے لیکن ان کے مرنے کے بعد راضی ہو گئے تھے تخت دلّی سے ان کی وفاداری غیر مستقل سی رہی اگرچہ وہ اعلیٰ عہدے قبول کرتے رہے۔ جے پور کے کچھواہہ بھی جن کی وفاداری کا ریکارڈ مربوط و مسلسل رہا ہے عام

تخریب اخلاق سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ راجہ جے سنگھ کو جنہوں نے جاٹوں کے حملے کو جو چورمان کی قیادت میں کیا گیا تھا پسپا کر دیا تھا صوبہ دار اس لیے مقرر کیا گیا کہ وہ مرہٹوں کے سالانہ حملوں کے سیلاب کو روک سکیں. لیکن شاہی مفاد کی محافظت کرنے کے بجائے وہ ہی مرہٹوں سے جاملے جس کا انجام یہ ہوا کہ یہ صوبہ ہی ہاتھ سے نکل گیا۔

نوبت یہاں تک آگئی کہ دلی کے گرد و نواح بھی خطرات سے معمور رہنے لگے سکھ، جاٹ، روہیلہ اور مرہٹہ چاروں طرف منڈلاتے رہتے تھے ۔ 1737ء میں باجی راؤ اپنے گھوڑے پر سوار دارالسلطنت دلی میں بلا مداخلت داخل ہو گیا اور مملکت کی بے بسی بے نقاب ہو گئی دارالسلطنت کے اندر اور اس کے باہر ہر جگہ بد امنی کا دور دورہ تھا۔

نادر شاہ

لیکن مملکت کو اس سے کہیں بڑی بدقسمتی کا سامنا کرنا پڑا۔ باجی راؤ کے دلی پر حملہ کرنے کے ایک سال بعد بادشاہ ایران نادر شاہ نے شمالی افغانستان میں اپنی فوجوں کو حرکت دی عدم تیاری اور لاپرواہی کی عام فضا نے اس کا کابل میں داخلہ آسان کر دیا۔ اس کے بعد اس نے درۂ خیبر کو پار کیا اور سرعت کے ساتھ لاہور تک پہنچ گیا راستہ میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں ہوئی دلی کو خطرہ لاحق ہونے سے مغلوں میں حرکت کا جذبہ پیدا ہوا اور محمد شاہ اور ان کی فوج کرنال پہونچی اور وہاں خندقیں کھود کر جم گئی جرنیلوں کی نااہلیت اور جذبۂ تعاون کے فقدان کی وجہ سے شکست فاش ہوئی۔ شکست سے پست ہمتی پیدا ہوئی. شبہات خوف اور اضطراب نے مل جل کر ایک ایسا طاقتور جذبہ پیدا کر دیا جس کی بدولت کمان دار خود اپنی حفاظت کے لیے ایک دوسرے کے خلاف کام کرنے لگے ۔ اس کے نتیجہ میں غداری نمودار ہوئی۔ اودھ کے گورنر سعادت خاں نے جو اس لڑائی میں گرفتار ہو گئے تھے ایرانی تھے اور تورانیوں سے خاص کر نظام الملک سے جو بادشاہ کے مشیر خاص مقرر کر دیئے گئے تھے رقیبانہ بغض رکھتے تھے انتقام کے جذبہ سے اندھے ہو کر نادر شاہ کی حرص کو ابھارا اور ترغیب دی کہ وہ دلی پہونچیں جہاں ان کو اتنی دولت ملے گی جس کا انھوں نے کبھی خواب بھی نہ دیکھا ہوگا۔

نادر کی حرص میں اُبال آگیا اس نے بادشاہ کو قید کر کے دلی کی جانب کوچ کر دیا جامع مسجد کے منبر سے اس کے شہنشاہ ہندوستان ہونے کا اعلان ہوا اور اس کے نام کا سکہ

جاری ہو گیا۔ ساکنان دلّی اس قبضہ کی وجہ سے خوف سے کانپ رہے تھے جب نادر اور اس کے افسران مختار اور دولت مند لوگوں کو لوٹنا اور باشندوں پر ذلت اور ظلم برسا کر زبردستی روپیہ چھیننا شروع کیا تو بڑا غصہ پیدا ہوا۔ ایک معمولی واقعہ طوفان بن گیا جس پر نادر نے قتل عام کا حکم دے دیا سڑکوں پر خون کا دریا بہنے لگا اور آتش زنی کوچہ و بازار میں پھیل گئی۔ پورا بازار جل اُٹھا۔ نادر نے بے شمار دولت بطور تاوان جنگ حاصل کی سونے اور چاندی کی اینٹیں، زیورات، تخت طاؤس اور قیمتی خزانے جو بادشاہوں نے کئی پشتوں سے جمع کئے تھے سب کو زبردستی لے لیا بے شمار ہاتھی، گھوڑے اور اونٹ اور لگ بھگ پندرہ کروڑ روپیہ نقد لوٹ لے گئے۔

فاتح کا کوئی منصوبہ ہندوستان میں قیام کرنے کا نہ تھا اس نے محمد شاہ کو تاج عطا کر دیا۔ اور لوٹ کا بے شمار مال لے کر چل دیا۔ نادر شاہ کے حملے نے مملکت کو ایسا دھکہ مارا جس سے وہ کبھی سنبھل نہ سکی۔ کابل کا صوبہ ہاتھ سے نکل گیا اور ہندوستان کی سرحد درہ خیبر اور پشاور دشمن کے قبضہ میں چھوڑ کر دریائے سندھ تک پیچھے ڈھکیل دی گئی۔

پنجاب تاراج اور حملوں کا شکار بن گیا۔ جب نادر نے پنجاب فتح کیا تو ذکریا خاں وہاں کا گورنر تھا۔ وہ 1745ء میں مر گیا گورنری کے لیے ان کے بیٹوں میں جنگ چھڑ گئی ان میں سے ایک نے احمد شاہ ابدالی کو جو کابل کے تخت پر نادر شاہ کے بعد متمکن ہوا تھا ہندوستان آنے کی دعوت دی اس وقت سے اپنی وفات تک جو 1773ء میں واقع ہوئی ابدالی پنجاب کو تاخت و تاراج کرتا اور لوٹتا رہا۔

اٹھارھویں صدی کے دوسرے نصف کا ہندوستان مشہور سیاسی مفکر ہابسن کے فلسفۂ فطرت کی مکمل تصویر پیش کرتا ہے یہ ایک جنگل کے مانند تھا جس میں خوفناک اور حیوان صفت انسان چاروں طرف گھومتے تھے اور جن کے لیے محرک جذبات صرف گہری خود غرضی اور طاقت کے لیے غیر معمولی تنگ نظرانہ حرص تھی۔ ان کی روک کے لیے نہ کوئی اخلاقی نقطہ نظر تھا اور نہ ان کے پاس کوئی دور اندیشانہ مقاصد تھے۔ ان لوگوں نے اپنے فوری مقاصد کے حصول کے لیے جس طرح سازشیں اور کمینی تدبیریں کیں اور جس طرح طاقت اور دغا بازی کو برملا استعمال کیا یہ سب دلّی کو بھی شرمندہ کر دے گا۔ اس احمقانہ اور زہر آلود تصادم کے دوران جو آپس میں لڑنے والی شخصیتوں اور جماعتوں میں ہو رہا تھا تھکان سے چور چور اور برباد ہندوستان کوئی ایسا لیڈر میدان میں نہ لا سکا جو ایسی حکمرانہ طاقت کا حامل ہوتا جو ملک کو اس تاراج سے نکال کر امن و

قانون کے دائرے میں لا سکتی۔

اس سیاسی اور اخلاقی زوال کے باوجود اٹھارھویں صدی ایسے باہمت شجاع اور باحوصلہ اشخاص سے خالی نہیں تھی جو توانائی اور وسائل سے معمور تھے بہت سے ایسے فضول خرچ حریص اور نتائج سے لاپروا اشخاص موجود تھے جو اپنی جان کو ایسی بیدردی سے داؤں پر لگا دیتے تھے کہ بے ساختہ زبان سے واہ واہ نکلتی لیکن جس چیز کی ان کے اندر کمی تھی وہ ایک قابل قدر مقصد تھا جو ان کی سرگرمیوں کو مفید راستوں پر ڈال سکتا اور ان کی زندگیوں کو بامعنی بنا سکتا یہ لوگ بلا پتوار کی کشتی کے مانند تھے جو طوفان میں ڈوبے ہوئے سمندر میں اِدھر اُدھر ہچکولے کھا رہی تھی۔ ان کی بے لگام حرص و ہوس نے ملوکیت کو نراج میں تبدیل کر دیا۔ روہیلکھنڈ میں روہیلوں نے شاہی افسران کو مار بھگایا ان کی جاگیریں ضبط کریں اور خود مختار ریاستیں قائم کریں روہیلکھنڈ میں کے باہر اودھ، بہار، بنگال اور اوڑیسہ نے اس کے پہلے ہی عملی طور آزادانہ رویہ اختیار کر لیا تھا۔ جمنا کے دکھن پچھم جانب راجپوتانہ تک اور دکھن جانب چمبل ندی تک جاٹوں کا اقتدار تھا۔ اس کے ماورا مرہٹے راجپوتانہ دوآبہ اور ہندوستان کے مشرقی صوبوں پر اپنی مرضی نافذ کیے ہوئے تھے گجرات اور مالوہ پر بھی ان کا اقتدار تھا۔ راجپوت ریاستیں ان کے رحم و کرم پر تھیں اور دکن ان کو خراج ادا کرتا تھا۔

مغل شاہنشاہ کی بااثر حکومت اب گھٹ کر صرف مضافات دلّی و آگرہ تک رہ گئی تھی اگرچہ وہ اب بھی ہندوستان کے بیشتر حصہ پر حکمرانی کے دعویدار تھے اور برابر خطابات دیتے اور عہدوں پر تقرری کی تصدیق کرتے تھے۔

نظم نسق کے ڈھیلے پن نے ملوکیت کی اندرونی طاقت کو چوس لیا جاگیروں کی تقسیم میں بے محابا فیاضی نے تاج کی مملوکہ زمین کی مقدار کو جو شہنشاہ کے ذاتی خرچ کے لیے محفوظ تھی بے حد گھٹا دیا تھا۔ خزانہ خالی ہو گیا اور محاصل میں کمی آنے سے یہ ناممکن ہو گیا کہ باضابطہ فوج کے اخراجات کا انتظام ہو سکے یا ان کو مسلح کیا جا سکے اونچے اور نیچے طبقہ کے امرا میں باہمی خانہ جنگی سے اتنی کثیر تعداد میں موتیں ہوئیں کہ اب سول اور ملٹری عہدوں کے لیے مناسب اشخاص کا ملنا مشکل ہو گیا ایک معقول فوج کے بغیر بادشاہ قطعی بے کس ہو کر رہ گیا تھا اس طرح کرنال کے مقام پر محمد شاہ کی شکست کے بعد دلّی ایک متحدہ مملکت کا مرکز نہیں رہ سکی۔

احمد شاہ ابدالی کا حملہ

جب دلّی کی جامع مسجد میں جمعہ کے خطبہ کے اندر نادر شاہ شہنشاہ ہندوستان کے خطاب سے یاد کیا گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ تاریخ اپنے کو دُہرا رہی ہے۔ اس سے پہلے دو مرتبہ بھی بارھویں صدی کے آخری چوتھائی حصہ میں اور پھر سولھویں صدی کے پہلے چوتھائی حصہ میں اسی قسم کے حالات کے اندر ایک بیرونی طاقت ہندوستان کو اپنے زیر اقتدار لائی تھی ہندوستان پہ فاتحین زمینی طاقت کے مالک تھے جو زمین ہی کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوئے تھے۔

لیکن سولھویں صدی میں ایک مختلف قسم کی طاقت جو سمندر پار سے نمودار ہوئی تھی سمندر کی فوجوں پر جہازرانی کرتی ہوئی ہندوستان کے ساحلوں پر اپنا وجود محسوس کرانے لگی۔ اس وقت امر کی پیشین گوئی نہیں کی جا سکتی تھی کہ مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد جو خلا پیدا ہوگا اسے یہیں کے لوگ بھر دیں گے یا شمال و مغرب سے کوئی زمینی طاقت ابھرے گی یا ایک نئے طریقہ سے ایک غیر متوقع جگہ کی طاقت اسے پُر کرے گی لیکن بہت جلد تقدیر ایک متعین شکل اختیار کرنے لگی اور اٹھارھویں صدی کے آخر تک اس کے بارے میں کوئی شبہ نہیں رہ گیا کہ مستقبل کیا ہوگا۔

1739ء میں کرنال کے مقام پر نادر شاہ کی فتح اور 1803ء میں لیک کے دلّی پر قابض ہونے کے درمیانی وقفہ میں ہندوستان اپنی تمام تاریخ کے ایک انتہائی ذلیل اور ناخوشگوار دور سے گذرا۔ دلّی اپنی تمام تاریخی عظمت اور شہنشاہانہ طاقت سے محروم کر دی گئی۔ لیکن اس کا سحر آفریں نام اب بھی انسانوں کے دماغوں پر اثر رکھتا تھا مختلف النوع لڑائیاں نسلی طاقت کو تاخت و تاراج کر رہی تھیں لیکن ہمیشہ ان لڑائیوں کا مرکز دلّی رہتی جس کے گرد تمام منصوبہ باز گھومتے تھے البتہ وہ شخص جس کے سر پر شاہانہ تاج رکھا ہوا تھا وہ دُکان میں دکھائے جانے والے کپڑے کے ایک ٹکڑے کی مانند ہوتا جو ان تمام معاملات میں بہت پست اور انتہائی شرمناک عمل ادا کرتا تھا۔

ان کاہل عیش پرستوں کی تاریخ جو دلی کے تخت پر قابض تھے مختصر اً بیان کی جا سکتی ہے۔ نادر شاہ آیا اور چلا گیا لیکن شاہی امرا نے اس ہولناک بدنصیبی سے کوئی سبق نہیں لیا تورانیوں اور ایرانیوں کی باہمی رقابت اور مڈبھیڑ میں کوئی کمی نہیں ہوئی وہ برابر لڑتے رہے 1739ء میں قمرالدین خاں اور ان کے چچازاد بھائی نظام الملک بالترتیب وزیر (یعنی وزیر اعظم)

اور میر بخشی (اعلیٰ افسر خزانہ) تھے۔ ایرانی صفدر جنگ (گورنر اودھ) کی قیادت میں اور ہندوستانی پارٹی کی مدد سے ان کے مخالف تھے جو کہ تورانیوں میں بھی کوئی باہمی اتحاد نہ تھا۔ محمد شاہ کے مقربان بارگاہ تورانیوں سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتے تھے۔ نظام الملک نے دربار کے رویے اور وزیر کے برتاؤ سے حد درجہ بیزار ہو کر 1740ء میں دلی چھوڑ دیا اور دکن واپس چلا گیا قمرالدین بدستور وزیر رہے لیکن اصل طاقت صفدر جنگ اور ان کے حمایتیوں کے ہاتھوں میں چلی گئی۔

1748ء میں احمد شاہ ابدالی کا پہلا حملہ ہوا جسے نادر شاہ کے قتل کے بعد ہرات قندھار اور کابل کے صوبے وراثتہً حاصل ہوئے تھے۔ لاہور اور ملتان کے گورنر ذکریا خاں کے دو بیٹوں کی خانہ جنگی اور ان کے چھوٹے بھائی شاہنواز خاں کی غدارانہ درخواستوں نے احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان پر حملہ کرنے کا بہانہ فراہم کر دیا لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد وہ کوچ کرتے ہوئے سرہند پہنچا اور شاہی فوج کو گھیر لیا۔ جو شہر کے قریب ایک گاؤں کے کنارے خندقیں کھود کر پڑی تھی لڑائی ہوئی جس میں اگرچہ قمرالدین قتل ہو گیا لیکن مغل افواج نے ابدالی فوجوں کو میدانِ جنگ سے مار بھگایا اور ان کو مجبور کیا کہ اپنے ملک واپس جائیں۔

اس غیر متوقع فتح کا فوری نتیجہ یہ ہوا کہ اپنے باپ محمد شاہ کے 26 اپریل 1748ء کو انتقال کر جانے کے بعد احمد شاہ اس کے وارث کی حیثیت سے پر امن طریقہ پر تخت نشین ہوا۔ نیا بادشاہ ایک نیک فطرت احمق تھا جس کو جنگ یا نظم و نسق کی کوئی تربیت نہیں ملی تھی۔ اپنے بچپن سے 21 سال کی عمر تک اس کی پرورش و پرداخت حرم کی عورتوں میں ہوئی تھی۔ اس کی تربیت پر کوئی توجہ نہیں ہوئی تھی وہ مفلسی میں پلا اور ہمیشہ اپنے باپ کی گھڑکیوں اور دھمکیوں کا شکار رہا۔ اس لیے بالکل فطری تھا کہ حکومت کے معاملات کی باگ منہ چڑھے مصاحبوں، بادشاہ کے دوستوں، خواجہ سراؤں اور عورتوں کے جتھے کی قائد ماد ملکہ ادھم بائی کے ہاتھ میں چلی گئی جو محمد شاہ سے نکاح کے قبل ایک ناچنے والی طوائف تھی۔ اس نے نالائق آدمیوں کو اونچی اونچی جگہوں پر ترقی دی اور ہر تقرری کے لیے روپیہ کی شکل میں کثیر تعداد میں نذرانہ حاصل کیا کوئی بھی نظم حکومت کی پروا نہیں کرتا تھا۔ اور گورنر اور امراء شاہی محاصل کو ناجائز طور پر غبن کر لیتے تھے۔ اس کی تقلید طاقتور زمین داروں نے کی۔ اور اپنے کمزور ہمسایوں کی زمین زبردستی چھین لی۔

ایرانی گروہ جس کے لیڈر اودھ کے گورنر صفدر جنگ وزیر تھے اب اوپر چڑھ گیا لیکن اس

کا سامنا کرنا بہت مشکل تھا۔ تورانی وزرا اُن کے خلاف تھے بادشاہ کے منظورِ نظر لوگوں نے ان کی پالیسیوں کو ناکام بنا دیا اور کمزور احمد شاہ کو ان کے خلاف کر دیا۔ اس کے علاوہ وزیر دلّی کے معاملات پر کامل توجہ نہیں دے سکتے تھے کیوں کہ خود ان کا صوبہ ان سے بہت بڑی خبر گیری کا مطالبہ کرتا تھا روہیلہ ان کی دشمنی کا گویا حلف لیے ہوئے تھے اور صوبہ کے اندرونی انتظام میں ڈھیلا پن پھیلا ہوا تھا۔

ان حالات میں احمد شاہ ابدالی اور ان کے افغانوں کا خطرہ شمال سے اور مرہٹوں کا خطرہ جنوب سے نمودار ہوا۔ جن دردناک واقعات کی بنا پر بالآخر ہندوستان اپنی آزادی سے محروم ہو گیا ان کے خاص اداکار انہی دو جماعتوں کے لیڈران تھے مغل شہنشاہ اور ان کے امرا محض شطرنج کے مہرے تھے اور دیگر سربراہ کاران نے گھٹیا اور شرمناک عمل کا مظاہرہ کیا

1748ء کی ناکامی کے بعد احمد شاہ ابدالی نے 1749ء کے موسم خزاں میں پنجاب پر پھر حملہ کیا۔ یہاں کا گورنر معین الملک سابق وزیر قمر الدین کا بیٹا تھا۔ لیکن دلّی کی پارٹی میں وہ نامقبول تھا اس لیے اسے کوئی امداد نہیں ملی مجبور ہو کر اس نے صوبہ کا ایک حصہ دے دیا اور ایک کثیر رقم ابدالی کے افسروں کو بطور تاوان ادا کی اس طرح کے آسان شکار نے ابدالی کی بھوک کو تیز کر دیا اور 1751ء میں وہ تیسری مرتبہ ہندوستان میں داخل ہوا معین الملک نے مرکزی حکومت کی مدد کے بغیر جس حد تک مقابلہ ممکن تھا وہ کیا اور آخر کار مجبوراً ہتھیار ڈال دیے پنجاب اور ملتان کے صوبے افغانی حکمران کے ہاتھ میں چلے گئے اور اب دلی کو فوری خطرے کا سامنا تھا۔

ادھر پنجاب کو افغان روندرہے تھے ادھر وزیر صفدر جنگ روہیلوں کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں مصروف تھا جنھیں وہ "مجھے دلّی لے جانے والی سڑکوں پر پھیلے ہوئے سانپ" کہتا تھا لیکن روہیلہ سردار احمد خاں بنگش معاملات سے باخبر بھی تھا اور باتدبیر بھی اس نے عیش پسند ایرانی اُمرا پر شکست اور ذلت تھوپ دی صفدر جنگ مجبور ہوا کہ مرہٹوں سے امدادی فوج بالمعاوضہ حاصل کرنے کا معاہدہ کرے اور جاٹوں کی امداد بھی خریدے تاکہ روہیلہ خطرے سے اپنے کو بچا سکے اس نے ملہر راؤ ہولکر اور جیاپا سندھیا کو 25 ہزار روپیہ یومیہ اور سورج مل جاٹ کو پندرہ ہزار روپیہ دینے کا وعدہ کیا جنھوں نے روہیلوں سے دوآبہ کو صاف کر دیا اور ہمالیہ کے قدموں تک ان کو دھکیل لے گئے تب صفدر جنگ اور روہیلوں کی صلح ہوئی جس کے نتیجے میں اس مہم کے تمام اخراجات صفدر جنگ سے منتقل ہو کر روہیلوں کے ذمہ میں ہو گئے۔

مرہٹہ سرداراس سے پہلے مالوہ پر قبضہ کرچکا تھا گجرات کو بھی روند چکا تھا اس نے بہار بنگال اوراوڑیسہ پر بھی حملہ کیا اور انھیں لوٹا تھا۔ راجپوتانہ میں بھی گھس چکا تھا اور اب (1752ء میں) اس کو دوآبہ میں فوجی چھاونیاں مل گئیں جو مملکت کے قلب میں جا گزینش کے مصداق تھی، جو بالمعاوضہ صلح نامہ مارچ 1752ء میں ہوا تھا اس کے مطابق مرہٹہ مملکت کے محافظ ہونے کے دعویدار ہوئے اور دلّی کی سیاست میں دخل دینے کا ان کو موقع ملا۔ اس طرح اقتدار اعلیٰ کے دو دعویداروں افغان اور مرہٹوں کو حالات نے آمنے سامنے کھڑا کردیا۔

لازمی تھا کہ ان دونوں حریفوں میں زبردست ٹکراؤ جلد ہی ہو لیکن قبل اس کے کہ یہ پیش آئے دلی اور اس کے شاہانہ دربار کو ناقابل بیان بدبختی اور ذلت برداشت کرنی پڑی صفدر جنگ کی حرص اور غرور نے امراکو مخالف اور بادشاہ کو ناراض کردیا تھا۔ مادر ملکہ نے ان کو علاحدہ کرنے کی ایک سازش کھڑی کی ان کے ایجنٹ قلعہ سے نکال دیے گئے اور ان کا وہ استعفیٰ منظور کرلیا گیا ان کا خیال تھا کہ اس طرح بادشاہ خوف زدہ ہوکر ان کا مطیع ہوجائے گا۔ اس پر ناراض وزیر نے کھلم کھلا اپنے آقا کے خلاف اعلان جنگ کردیا اور ان کے حلیف جاٹوں نے دلّی کو لوٹ لیا۔

اس درمیان میں تورانی امرانے بھی اپنی پوری طاقت ایرانیوں کے تسلط کے خلاف لگادی۔ اعتمادالدولہ جو قمرالدین کے ایک بیٹے تھے وزیر مقرر ہوئے اور نظام الملک آصف جاہ اوّل کے پوتے عمادالدولہ میر بخشی ہو گئے۔ انھوں نے روہیلوں کو جو نجیب خاں کی سرداری میں تھے (جن کا خطاب نجیب الدولہ ہے) اور مرہٹوں کو اناجی مینکیشور کے زیر کمان اپنی مدد کے لیے طلب کیا صفدر جنگ کی یہ کوشش کہ دلّی کے قلعہ پر قبضہ کریں ناکام ہو گئی لیکن سرمایہ ختم ہوجانے اور فوج کی تنخواہیں ادا نہ ہونے اور وزیر اور میر بخشی کے اختلافات نے بادشاہ کو صلح کے لیے مجبور کردیا۔ صفدر جنگ اپنے صوبہ اودھ کو واپس گئے (1753ء)

اس خانہ جنگی نے گورنمنٹ کو عظیم مالی دشواریوں میں مبتلا کردیا تھا فوج بقایا تنخواہ کے لیے شور مچارہی تھی۔ دلّی کی سڑکیں روزمرہ بلوہ اور فساد سے بھری رہتی تھیں۔ باغی فوجیں روہیلہ اور مرہٹہ ڈاکوؤں سے جان مال کی کوئی حفاظت ممکن نہ تھی صفدر جنگ کے ریٹائر ہوجانے نے وزیر اور میر بخشی کے اختلافات میں تیزی پیدا کردی چونکہ بادشاہ وزیر کے طرفدار تھے

میر بخشی اور مرہٹوں نے فیصلہ کیا کہ بادشاہ سے نجات حاصل کرلی جائے۔ باغی میر بخشی اور ان کے حلیفوں نے بادشاہ کو مجبور کیا کہ وہ اعتماد الدولہ کو برخاست کردیں ان کی جگہ عماد الدولہ وزیر مقرر ہوئے۔ عماد الدولہ کی پہلی کارروائی بہ حیثیت وزیر یہ تھی کہ انھوں نے غریب اور بے کس احمد شاہ کو معزول کر دیا اور پچپن سالہ شہزادہ عزیز الدین کو عالم گیر ثانی کے خطاب کے ساتھ تخت پر بٹھایا اس کے پانچ سال کے بعد (1759ء) جب انھوں نے جکڑبندیوں سے نجات کی کوشش کی تو انھیں بے رحمی کے ساتھ قتل کر دیا۔

اس نالائق مگر حریص اور بے اصول وزیر کی پانچ سال کی حکمرانی کا دور شدید بدامنی دیوالیہ پن اور تکالیف کا دور تھا بادشاہ وزرا اور قوم کی قسمت میں صرف شرم اور ذلت رہ گئی تھی۔

عماد اور صفدر جنگ دونوں نے مرہٹوں کو مدد کے لیے بلایا تھا مرہٹہ لیڈر پیشوا نے رگھوناتھ راؤ کو شمال کی جانب بھیجا لیکن جب تک وہ وہاں پہنچے دونوں نے اپنے جھگڑے باہم طے کر لیے۔ اپنی لوٹ سے محروم ہوکر مرہٹوں نے جاٹوں اور راجپوتوں کی جانب اپنا رُخ موڑ دیا۔ تاکہ ان کو آگرہ اور اجمیر کے صوبوں پر قبضہ کرنے میں جو انھیں 1752ء کے بالمعاوضہ صلح نامہ کی رو سے ملے تھے رکاوٹ ڈالیں۔ اس پیچھا کرنے میں رگھوناتھ راؤ اور ملہر راؤ ہولکر نے دوآبہ کو خوب پامال کیا اور لوٹ لیا اور جیا پا سندھیا اور ان کے بھائی دتاجی نے راجپوتانہ کو روند ڈالا اس کے بعد اپنے لوٹ کے مال کو بٹور کر یہ افسران پونا واپس گئے اور دو سال کی طویل مہم (1753ء 1755ء) بلا کسی خاص کامرانی کے ختم ہو گئی۔

رگھوناتھ راؤ کے کردار نے اپنے پیچھے شمال کے تمام لوگوں میں خوف و غصہ اور نفرت کی وراثت چھوڑی جس کے تباہ کن نتائج ہوئے۔

1752ء میں پنجاب افغانیوں کی حلقہ بگوشی میں جا چکا تھا لیکن احمد شاہ نے اس کا انتظام معین الملک کے ہاتھ میں چھوڑ دیا تھا 1753ء میں ان کے انتقال کے بعد حالات تیزی سے زوال پذیر ہوئے اور انتشار پھیل گیا۔ اس مصیبت کبریٰ میں مغلانی بیگم (معین کی بیوہ) نے احمد شاہ اور عماد الملک سے امن قائم کرنے کی درخواست کی قبل اس کے کہ احمد شاہ کوئی کارروائی کرے عماد کوچ کرتا ہوا لاہور پہنچا اور خود اپنا گورنر اور ڈپٹی گورنر وہاں مقرر کر دیا یہ ایک ایسی مداخلت بے جا تھی جسے افغان بادشاہ برداشت نہیں کر سکتا تھا اس نے اپنے جنرل کو بہ طور ہراول روانہ کیا جس نے لاہور پر قبضہ کر لیا اس کے بعد وہ بذات خود ایک

عظیم لشکر لے کر 1757ء میں آیا۔

اس وقت شمالی ہند کے باشندگان پر گویا جہنم کھول دی گئی پنجاب تشدد اور لاقانونیت کا اڈا بن گیا۔ جس میں سکھوں مغلوں اور افغانیوں میں تکوس ہوئیں۔ حملہ آور افغان نے لاہور اور سرہند پر قبضہ کر لیا اور اس کے بعد دلّی کی طرف کوچ کیا۔ جو اس کے مقابلے کے لیے بالکل تیار نہ تھی۔ روہیلہ سردار نجیب الدولہ نے بے وفائی کی اور اپنے مالک کا ساتھ چھوڑ دیا وہ افغانوں سے جا ملا۔ عماد نے جاٹوں مرہٹوں اور راجپوتوں کو آمادہ کرنے کی جان توڑ کوشش کی کہ اس کی مدد کو آجائیں لیکن ناکامیاب رہا۔ بلا کسی قسم کی مدافعت کیے کم ظرف وزیر نے دارالسلطنت کو حملہ آور کے قدموں میں ڈال دیا اس طرح استحصال بالجبر اور ظلم کی ایک ایسی حکمرانی قائم ہوگئی جس نے دلّی کی کھال کھینچ لی دولت مند اور غریب امرا اور عوام اور عورتیں سب کو اندھا دھند بلا امتیاز ظلم اور ذلت کا شکار ہونا پڑا۔

لیکن متھرا گوکل اور بندرابن کے مقدس مقامات پر جو واقعات پیش آئے ان کے مقابلہ میں دلّی والوں کی مصیبت ناقابل لحاظ معلوم ہوگی۔ افغان فوج دلّی کو لوٹنے کے بعد دلّی کے باہر کوچ کر گئی اور اپنے پیچھے جلتے ہوئے مواضعات سڑتی ہوئی لاشوں اور بربادی کا ایک سلسلہ چھوڑتی گئی۔ راستہ میں جاٹوں کو کچلنے کے بعد افغان متھرا بندرابن اور گوکل پہنچے جو آتش زنی اور بربادکاری ان مقدس شہروں پر نازل ہوئی وہ ناقابل بیان ہے متھرا کا ایک مسلمان جوہری جس کا سب کچھ لوٹ لیا گیا تھا اور کئی دنوں سے فاقہ کر رہا تھا تصدیق کرتا ہے کہ قتل عام کے بعد سات دن تک دریائے جمنا کا پانی خون کی طرح سرخ رنگ کا تھا۔ مندروں کی بے حرمتی کی گئی سادھوؤں کو تلوار کے دھار پر رکھ دیا گیا عورتیں بے عزت کی گئیں اور بچوں کو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا گیا کوئی ایسا ظلم نہیں تھا جو نہ کیا گیا ہو۔

لیکن ان دردناک واقعات کا سب سے زیادہ شرمناک پہلو اُن لوگوں کی بے توجہی ہے جو ان مقامات کے سرپرست اور محافظ فرض کیے جاتے تھے۔ مرہٹے جنہوں نے ہندوئی سوراجیہ کا جھنڈا بلند کیا تھا اور اس بات کا مغرورانہ دعویٰ کیا تھا کہ یہ جھنڈا کنیا کماری سے اٹک تک لہرائے گا جنھوں نے یہ پیش کش کی تھی کہ مملکت کو بیرونی حملوں سے بچائیں گے اور جنھوں نے ابھی حال میں آگرہ صوبہ کی گورنری لی تھی اور جو مذہب کے نام پر ہندوؤں کے یاترا کے مقدس جگہوں پر اقتدار کے دعویدار تھے اور اس لیے اپنی عزت کے نام پر وہ (دراج منڈل) کی

حفاظت کے ذمہ دار تھے وہ جب ہندوازم پر مصیبت نازل ہوئی تو اس ذمہ داری کا حق ادا کرنے میں شرمناک طریقہ پر قائم رہے۔ جاٹوں نے ضرور کچھ مقابلہ کیا کیوں کہ افغان ان کے وطن کو برباد کر رہے تھے۔ لیکن ایک ابتدائی لڑائی میں شکست کے بعد وہ اپنے زخموں پر مرہم پٹی کرنے کے لیے پیچھے ہٹ گئے اور عوام الناس کو ان کی ظالم قسمت کے حوالے کر دیا۔ راجپوت اپنے چھوٹے چھوٹے جھگڑوں میں پھنس کر یہ قطعی بھول ہی گئے تھے کہ بقیہ ہندوستان میں کیا ہو رہا ہے۔ شہنشاہ دلی جو ہندوستان کا قانونی حکمران اور اقوام ہند کا محافظ تھا وہ خاک چاٹ رہا تھا۔ بیرونی فاتح کے ہاتھوں میں قیدی تھا۔

اس لیے درد وکرب کی جو دل خراش صدائیں دلی متھرا آگرہ اور شمالی ہند کے ہزاروں قصبوں اور مواضعات سے اٹھیں انہیں کسی نے نہیں سنا۔ لیکن جسے انسان نہ کر سکا وہ قدرت نے پورا کیا۔ افغان فوج کی خوفناک رفتار ہیضہ پھیل جانے سے رک گئی سپاہیوں نے گھر واپس جانے کے لیے شور مچانا شروع کیا۔ ابدالی واپس ہونے پر مجبور ہوا مگر لوٹ سے تین لغایت بارہ کروڑ تک جمع کرنے اور خاندان تیمور پر ناقابل بیان ذلت لادنے سے قبل نہیں بادشاہ نے مجبور ہو کر محمد شاہ کی سولہ سالہ لڑکی کو اس خوفناک افغان کی شادی میں دیدیا جو اس کے دادا کی عمر کا تھا اور جس کے دونوں کان کٹے ہوئے تھے اور جس کی ناک کوڑھ کے سبب زہریلے پھوڑے سے سڑ رہی تھی[1] یہ ایک تلخ قیمت تھی جو ادا کی گئی۔ لیکن سیاست رحم کو نہیں جانتی اور بے گناہ آدمیوں کو اپنے حکمرانوں کی حماقت نا اہلی اور معصیت کی وجہ سے مصیبت اٹھانی ہی پڑتی ہے۔

احمد شاہ نجیب الدولہ کو دلی میں اپنا ایجنٹ بنا کر قندھار واپس گیا نجیب الدولہ کو میر بخشی کا عہدہ دیا گیا اور اسے حکومت کے مکمل اختیارات عطا کیے گئے پرانے وزیر عماد کو اختیارات سے محروم کر دیا گیا البتہ وکیل المطلق کا معزز عہدہ جس کے ساتھ کوئی ذمہ داری وابستہ نہ تھی ان کو دی گئی۔

احمد شاہ کے سدھارتے ہی وہی پرانا کھیل پھر کھیلا جانے لگا عماد نے نجیب کو اکھاڑ پھینکنے

سرکار جدوناتھ فال آف دی مغل امپائر جلد دوم صفحہ 126 (سرکار نے دادا کا لفظ شاید غلط استعمال کیا ہے کیوں کہ اس وقت 1757ء میں اس کی عمر 25 سال تھی)

کی سازش شروع کردی احمد شاہ کے طوفان گزر جانے کے بعد مرہٹے بھی پھر شمال میں نمودار ہوئے۔ انھوں نے تیزی سے اپنی جاگیریں قلعے اور عہدے غاصبوں سے واپس لے لیے دوآبہ پر اپنا اقتدار پھر قائم کیا اور اپنے لگائے ہوئے محاصل وصول کرنے لگے۔

نجیب کو اکھاڑ پھینکنے کے لیے بادشاہ اور عماد نے مرہٹوں سے میل کر لیا مقدم الذکر نے ان سے لڑنا چاہا لیکن اپنے رقیبوں سے دھکا کھانے کے بعد عماد کے گھر والوں پر اپنا غصہ نکالا اور پھر مقابلہ کو مایوس کن سمجھ کر بلا شرط ہتھیار ڈال دیے اب مرہٹوں کے لیے دلی اور پوری مملکت کے مالک کامل بننے کے لیے راستہ صاف ہو گیا۔

دلی سے مرہٹہ فوجیں رگھوناتھ راؤ اور ملہار راؤ ہولکر کی قیادت میں کوچ کرتی ہوئی پنجاب میں داخل ہوئیں اور اپریل 1758ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا۔ انھوں نے احمد شاہ کے ایجنٹوں کو نکال باہر کیا اور ادینا بیگ کو اپنا گورنر مقرر کیا۔

نجیب نے جو دلی سے نکال دیے جانے کے بعد وقت کا انتظار کر رہا تھا ابدالی سے خط وکتابت شروع کی اور ان کو ترغیب دی کہ وہ اپنی مملکت کو واپس لینے کے لیے ہندوستان آویں مرہٹوں نے دتاجی سندھیا کی سپہ سالاری میں نجیب کو سزا دینے کے لیے کوچ کیا، جس نے ان کی پیش قدمی کو مظفر نگر کے قریب ایک خندقوں سے گھری ہوئی محصور چوکی کے پیچھے سے روک رکھا تھا۔ یہاں روہیلہ سردار محصوری کی حالت میں مہینوں مرہٹوں سے مقابلہ کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو اس ہندو فوج کی کمک مل گئی جو نواب اودھ نے گوسائیں کی سرکردگی میں بھیجی تھی۔ نجیب کی کوششیں دوسری سمت بھی پھل لائیں۔ ابدالی کابل سے نکلا دریائے سندھ کو عبور کر لیا مرہٹی فوجی ٹکڑیوں کو جو اس کے سامنے آئیں بھگاتا وہ تیزی کے ساتھ پنجاب سے گذر کر دلی کی طرف بڑھا۔ دتاجی نے تھانیسر کے مقام پر اس کو روکنے کی ایک بے کار کوشش کی۔ یہاں ناکام ہونے کے بعد وہ پیچھے ہٹا تاکہ وہ ابدالی کو جمنا عبور نہ کر دینے کی کوشش کو بیکار کر سکے لیکن یہاں بھی ان کی فوج کو بڑی طرح شکست ہوئی اور دتاجی خود قتل ہو گیا ملہار راؤ کو جس نے ابدالی کو پریشان کرنا چاہا تھا شکست پر شکست کا سامنا ہوا اور مجبوراً وہ راجپوتانہ تک پیچھے ہٹ گیا۔

شمال میں ان شکستوں کی خبر نے پونا میں بدحواسی پیدا کر دی اور ایک مضبوط فوج پیشوا کے خاندان کے کسی فرد کی قیادت میں حالات کو درست کرنے کے لیے بھیجنے کا فیصلہ

کیا گیا بلا رچی، باجی راؤ کا چچازاد بھائی سداشیو راؤ بھاؤ کا انتخاب فوج کے کمانڈ کرنے کے لیے کیا گیا اور پیشوا کے بیٹے وشوناتھ راؤ برائے نام فوج کے افسر اعلیٰ کا کام کرتے تھے بائیس ہزار مرہٹہ اور 8 ہزار تربیت یافتہ سپاہیوں پر مشتمل فوج نے ابراہیم خاں گاردی کی کمان میں جس نے توپوں کے سلسلہ کی تربیت فرانسیسی جنرل بوسی کی ماتحتی میں حاصل کی تھی کوچ کیا۔ شمال میں موجود مرہٹہ فوج یعنی ہولکر، سندھیا اور دوسرے کپتانوں کی فوجی ٹکڑیاں اور قرب وجوار دلی میں قلعہ بند مورچوں میں موجود فوجیں سب آکر بھاؤ سے مل گئیں۔

مرہٹوں کو امید تھی کہ ان کے پرانے حلیف نواب اودھ کو اپنے مقصد سے وابستہ کرلیں گے اور یہ بھی امید کرتے تھے کہ راجپوت اور جاٹ پوری طاقت سے ان کی مدد کریں گے لیکن باوجود اس کے کہ روہیلوں اور نواب میں طویل المدت اور کڑی دشمنی چلی آرہی تھی موخرالذکر نے اگرچہ کسی قدر ہچکچاہٹ کے ساتھ اپنی قسمت ابدالی سے وابستہ کرنے کا فیصلہ کرلیا جو چیز اِن کو وزن میں بھاری معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ نجیب اور ابدالی پہلے سے اپنی فوجوں کے ساتھ دوآبہ میں موجود تھے اور بہت آسانی سے اس کی قلمرو کو روند سکتے تھے مرہٹے دریائے جمنا کے اس پار ان کی مملکت سے دور تھے روہیلوں اور ابدالی کی مشترکہ فوجوں کو تاخت و تاراج کرکے ہی ان تک پہنچ سکتے تھے۔ مرہٹوں کی کامیابی کا مطلب ان کی مستقل تابعداری تھی اور ابدالی کے متعلق تو معلوم تھا کہ اس کی کوئی خواہش ہندوستان میں مستقل قیام کی نہیں ہے۔ مرہٹوں نے ان کے باپ کو دغا دی تھی اب ان کے وعدوں پر کوئی اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔ راجپوت ان سفاکیوں کو بھولے نہیں تھے جو مرہٹوں نے ان کے ملک پر روا رکھی تھیں وہ کسی طرف رہنے کا ارادہ نہیں کرتے تھے البتہ جو آخر میں کامیاب ہو اسی کے ساتھ ہوجاتے جاٹ حکمران سورج مل مرہٹوں پر شک کرتا تھا اس کو بھی ان کے وعدوں پر کوئی اعتبار نہ تھا۔ اس کو اپنے رویہ کا اور بھی یقین واثق اس وجہ سے ہوگیا تھا کہ اس علاقہ کا مرہٹہ گورنر گوبند پلا جاٹوں کے نئے تعمیر شدہ علی گڑھ کے قلعہ پر حریصانہ نگاہ رکھتا تھا اور اس پر حملے کے منصوبے بنایا کرتا تھا اگرچہ وہ ناکام رہے تھے (۱)

ظاہر ہے کہ مرہٹوں کا کوئی ایک بھی دوست یا ساتھی شمال میں نہیں تھا اور ابدالی کے

---

(۱) سرکار جادوناتھ۔ فال آف دی مغل امپائر جلد دوم (ایڈیشن 1934) صفحہ 256

خلاف فوجی تدابیر اختیار کرنے کے معاملہ میں خود ان کی صف کے اندر اختلافات تھے۔ ان کو صرف یہ کامیابی حاصل ہوئی کہ وہ دلی کے اندر داخل ہو گئے کیوں کہ احمد شاہ دوآبہ میں خیمہ زن تھا اور دلی میں صرف مختصر سی قلعہ کی محافظ فوج تھی جو مرہٹوں کی طاقتور اور عظیم فوج کا مقابلہ قلعہ بند ہو کر بھی نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن دلی ایک جال ثابت ہوئی پیشوا کے پاس کوئی رقم نہ تھی جسے وہ بچا سکتا۔ جاگیروں اور ریاستوں سے محاصل کا جمع کرنا اس وقت کی بدامنی کی حالت میں ممکن نہ تھا۔ اور لوٹ سے بہت کم نفع حاصل ہوتا تھا۔ انسانوں اور گھوڑوں کے لیے غذا کی کمی تھی فوج کی ضروریات کا مجموعی ذخیرہ ختم ہو رہا تھا اور دشمن چاروں طرف گھوم رہے تھے حالات کی نزاکت نے بھاؤ کو مجبور کیا کہ وہ دلی سے باہر نکلے۔ ابدالی کی پوزیشن بھی بھاؤ سے غالباً ذرا ہی سی بہتر تھی کیونکہ وہ بھی سرمایہ کی کمی کی تکلیف محسوس کر رہا تھا اور گھر واپس جانے کے لیے بے چین تھا لیکن نجیب کی مالی اور مادی امداد اور بھاؤ کا ناقابل مصالحت رویہ اس امر کے زبردست دلائل تھے کہ وہ ڈٹا رہے اور معاملہ کی جدوجہد تلخ نتیجہ تک جاری رکھے۔

دونوں مخالف طاقتیں پانی پت میں آمنے سامنے آئیں لڑائی میں مرہٹہ کمانڈر نے دو تباہ کن غلطیاں کیں۔ اپنی راہ خبر رسانی کو کٹ جانے دیا اور مرہٹوں کے روایتی طریقہ جنگ کو ترک کر دیا۔ اپنے تربیت یافتہ فوجی حلقہ کی ٹولیوں پر بھروسہ کر کے اس نے اپنے کثیر التعداد سپاہیوں اور بے پر ساتھیوں کو ایک چوڑی اور گہری خندق کے پیچھے غیر متحرک کر دیا۔ افغان فوج سڑک کے اس پار جو دکن کو جاتی تھی پڑی ہوئی تھی ابدالی نے اپنے محافظ دستے چاروں طرف بکھیر دیے اور مرہٹوں کے خبر رساں راستوں اور فوجی سامان کی فراہمی کو کاٹ دیا چاروں طرف کا علاقہ مرہٹوں کا مخالف تھا اور انھوں نے جو خوفناک مظالم کیے تھے ان کا بدلہ لینے کے لیے کھول رہا تھا(۱) اس لیے بھاؤ کے کیمپ میں کوئی مدد نہیں پہنچی اور مکمل فاقہ کشی سامنے آ کھڑی ہوئی۔ فاقہ کشی کے آنکس سے نا امیدانہ دلاوری تک پہنچ کر بھاؤ نے لڑائی کا خطرہ مول لینے کا فیصلہ کیا 14 جنوری 1761ء کو اس نے چھاونی سے کوچ کیا اور فریقین ہلاکت آمیز مقابلہ میں ڈٹ گئے۔

---

(۱) سار دیسائی۔ جی۔ ایس "نیو ہسٹری آف دی مرہٹاز" جلد دوم صفحہ 430

ہندوستان کی لڑائیوں میں نتیجہ زیادہ تر لیڈر کی اہلیت پر منحصر رہا ہے پانی پت کے مقام پر مقابلہ تھا ایک باوسائل اور آزمودہ کار جنرل کا جس کو وسط ایشیا اور ہندوستان کے اندر کی جنگوں کا تجربہ تھا ایک نسبتاً کم عمر کمانڈر سے جس کو اگر کوئی تجربہ تھا تو صرف یہ کہ اس نے کرناٹک کے مقام پر جنوبی ہند کی فوجوں کے خلاف جنگی مہم کی قیادت کی تھی۔ ابدالی کو مرہٹوں پر مقدار آتش باری کی طاقت جسمانی اسلحہ اور سواری کی نوعیت کے اعتبار سے فوقیت حاصل تھی افغان جنرل کی اور ان کے کپتانوں کی مرہٹوں پر برتری، اور افغان فوج کی بہتر ہمت اور ڈسپلن نے دن بھر میں میدان مار لیا مرہٹوں نے خوفناک حملے کیے اور ایسے استقلال اور بہادری سے لڑے جو ایک عظیم قوم کے شایان شان ہے لیکن بھوک نے ان کو کمزور کر دیا تھا اور سہ پہر تک وہ تھک چکے تھے ان کی فوج کا قلب ابتدائی کے بندوقچیوں نے چھلنی کر دیا تھا انتشار کی حالت میں لوگ ایک بھیڑ کی طرح بھاگ کھڑے ہوئے۔ بائیں بازو نے جو ابراہیم خاں گاردی کے کمان میں تھا روہیلوں پر حملہ کر دیا جو ابدالی کی فوج کے داہنے بازو تھے لیکن ایک سخت اور خون ریز مقابلہ کے بعد جس میں 80 فی صدی بندوقچی ذبح ہو گئے ان کو مجبوراً میدان خالی کر دینا پڑا مرہٹوں کا داہنا بازو سندھیا اور ہولکر کی قیادت میں ابدالی اور شجاع الدولہ کے آمنے سامنے تھے لیکن ان لوگوں نے لڑائی میں بہت کم حصہ لیا اور جب انھوں نے دیکھا کہ فوج کا قلب اور بایاں بازو ٹوٹ چکا تو ہولکر بھاگ کھڑا ہوا سندھیا کی فوج نے بھی ان کی تقلید کی۔ شکست بھگدڑ میں تبدیل ہو گئی۔ اور خوفناک قتل عام اس کا نتیجہ ہوا میدان میں اٹھائیس ہزار مقتولین کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں افسران کی اکثریت قتل ہو گئی۔ وشواس راؤ اور بھاؤ دونوں بہادری کے ساتھ لڑتے ہوئے قتل ہوئے۔

پانی پت کی شکست اوّل درجہ کا سانحہ تھا لیکن کسی معنی میں یہ فیصلہ کن شکست نہیں تھی ابدالی کے لیے یہ ایک خالی خولی فتح تھی جوں ہی اس نے پیٹھ پھیری اس کی فتوحات کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے وہ اور ان کے جانشیناں اپنے وطن میں بغاوتوں سے پریشان کیے جا رہے تھے اور ازبک اور ایرانیوں نے شمال اور مغرب سے ان کے لیے خطرہ پیدا کر دیا تھا وہ اپنے ایجنٹوں کو ہندوستان میں کافی امداد نہ دے سکے۔ سکھ کثیر تعداد میں اپنے قلعوں سے باہر نکلے افغانی افسران کو بھگا دیا اور چاروں طرف غارت گرانہ حملے کیے چند سالوں کے اندر سندھ کے اس پار ابدالی کی فتوحات کا ایک بھی نشان باقی نہیں رہا۔ مرہٹوں کو ایک سخت ضرب

لگی تھی لیکن دس سال کے اندر مغل بادشاہ شاہ عالم کے محافظ کی حیثیت سے جنہیں وہ 1771ء میں الہ آباد سے دلّی لائے تھے پھر شمال میں آ پہنچے۔

یہ امر مشکوک ہے کہ اگر پانی پت میں مرہٹوں کو فتح ہوئی ہوتی تو ہندوستان کی بعد کی تاریخ کچھ زیادہ مختلف ہوتی۔ حقیقت یہ ہے کہ مرہٹوں کی سیاست 1761ء کے پہلے سے ٹوٹنے کے ایسے یقینی آثار پیدا ہو چکے تھے جن میں غلطی کا کوئی امکان نہیں ہو سکتا۔ ان کے وطن کی حکومت کی بنیاد کمزور تھی۔ مرہٹہ سوراج کا علاقہ غریب تھا ان کے پاس ایک بادشاہت کا خرچ اٹھانے کے لیے معقول ذرائع محاصل نہ تھے اس لیے پیشوا نے اپنی فوجوں کے خرچ کے لیے استحصال بالجبر اور لوٹ کی پالیسی ایجاد کی تھی۔ "سوراجے" یعنی مرہٹوں کے وطن کے باہر کا ہندوستان بڑے بڑے سرداروں میں تقسیم کر دیا گیا تھا جن سے یہ امید کی جاتی تھی کہ وہ اپنے اخراجات کے لیے اور مرکزی حکومت کے اخراجات کے لیے ان مقامات پر اپنے حصہ کے مطابق مال گذاری لگائیں. لیکن مرکز کے پاس جو فوج تھی وہ اتنی کافی نہ تھی کہ سرداروں کی بغاوتوں کا منہ توڑ سکتی اور نہ کوئی وابستہ رکھنے والا اصول ہی ایسا ایجاد کیا گیا تھا جو سب کو متحد رکھتا۔ بادشاہ یعنی خاندان شیواجی کے ساتھ وفاداری کا گلا اس طرح گھونٹ دیا گیا تھا کہ اب اس وفاداری کو پیشوا کی طرف منتقل کر دیا گیا تھا۔ پیشوا میدان میں بدیر آیا تھا وزراء اور فوجی افسران جو ابھی حال تک اس کے ہمسر تھے اس کے اختیارات سے حسد رکھتے تھے نتیجہ میں عدم اتحاد اور اندرونی کشمکش لازمی تھے بہت پہلے 1738ء ہی میں جب راگھوجی بھونسلہ مغل سلطنت کے مشرقی حصہ میں چوتھ لگا رہا تھا وہ پیشوا باجی راؤ اول سے متصادم ہو گیا معاملہ یہاں تک بڑھ گیا کہ اس کے بعد پیشوا بالجی راؤ نے مغل بادشاہ کی درخواست پر 1743ء میں بھونسلہ کو مار بھگانے میں نواب بنگال اللہ وردی خاں کے ساتھ شریک ہونے پر رضامندی دے دی۔ ایسا نظر آتا تھا کہ ہولکر اور بھونسلہ کی باہمی رقابت کا کوئی مصالحانہ حل ہی نہیں ہے۔ داماجی گائیکواد نے پیشوا کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی اور ہولکر کا رویّہ پوشیدہ مخالفت کا تھا۔ پانی پت کی لڑائی کے بعد کے زمانہ میں پیشوا کی گدی کی جانشینی دعویداروں کے درمیان جنگ کے خطرے سے خالی نہ تھی۔

مرہٹہ سیاست نے ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ بڑے بڑے جاگیرداروں اور افسروں کے خاندان آزاد ریاستیں قائم کرنے کی تلاش میں تھے۔ سیاسی معاملات میں عوام یا جماعتوں

کا نہ کوئی عمل تھا اور نہ کوئی حصہ نیز مرہٹہ لیڈروں نے اعلیٰ تدبر کی کوئی نشانی بھی نہیں پیش کی یہ لوگ حریص اور غاصب تھے وہ کاشتکاروں کو پیس ڈالتے تھے اور اپنی رعایا اور اپنے ماتحت حلیفوں کی نیک خواہشات کو حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہ کرتے تھے ان لوگوں نے اپنی قوم کی بھلائی اور اس کی ثقافتی ترقی میں کوئی دلچسپی ظاہر نہیں کیا۔

پانی پت کی شکست فیصلہ کن نہ تھی جو لڑائی واقعی فیصلہ کن تھی اور جس سے انقلابی نتائج پیدا نکلے وہ پانی پت سے چار سال پہلے ہی پلاسی کے آم کے باغ کے کچھڑوں میں لڑی جا چکی تھی۔

احمد شاہ ابدالی نے ہندوستان چھوڑنے سے پہلے گوہر کو شاہ عالم ثانی کے لقب کے ساتھ شہنشاہ نامزد کر دیا تھا لیکن چونکہ شاہ عالم اس وقت دلی سے باہر تھا اس لیے نجیب الدولہ ناظم خاص اور قائم مقام بادشاہ کی حیثیت سے کام کرتے تھے اور ان کے ساتھ شہزادہ جواں بخت بحیثیت ولی عہد شہزادہ تھے اس طرح نجیب الدولہ 1761ء سے 1770ء تک کل معاملات کا افسر اعلیٰ رہا وہ نہ صرف بادشاہ کا قائم مقام تھا بلکہ احمد شاہ ابدالی کا نائب بھی تھا۔ اس کا کام یہ تھا کہ دلی کے ارد گرد مغل علاقوں میں امن و امان قائم رکھے اور جاٹوں اور سکھوں کو مداخلت بے جا سے روکے وہ جاٹوں کے خلاف کامیاب رہا اس نے میدانِ جنگ میں سورج مل کو قتل کر دیا اور اس کے بیٹے کو ایسا کر دیا کہ وہ کبھی مقابلہ میں آنے کے قابل ہی نہیں رہا لیکن وہ سکھوں کے مقابلہ میں ناکام رہا جن کو وہ دبا نہیں سکا لیکن بہر حال پھلکین سکھ ماوراستلج کے حکمرانوں سے جدا ہو گئے۔

مرہٹوں میں خانہ جنگی اور دلی کا عزل

1770ء تک مرہٹوں نے پانی پت کی شکست کے صدمہ سے اتنی کافی حد تک نجات حاصل کر لی تھی کہ وہ پھر شمال میں نمودار ہوں اور اپنا اقتدار جمائیں۔ اس نازک موقع پر نجیب کے انتقال نے شاہ عالم کو مجبور کر دیا کہ وہ ان دو باتوں میں سے ایک کا انتخاب کریں یا تو انگریزوں کے سایۂ عاطفت میں چلے جائیں اور الہ آباد میں مستقل قیام پسند کریں یا مرہٹوں کی مدد سے تخت دلی کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ بادشاہ کی اس دماغی کشمکش اور اضطراب کا کہ وہ دارالسلطنت واپس آئیں مرہٹہ سرداران نے پورا فائدہ اٹھایا۔ انھوں نے بادشاہ سے ایک مفاہمت کی اور وعدہ کیا کہ وہ ان کو دلی

ے چلیں گے اور تخت انھیں دوبارہ واپس دلادیں گے اس طرح بارہ سال کی جلا وطنی کے بعد شاہ عالم دارالسلطنت کو واپس آئے جو شاہنشاہانہ اقتدار کا مقام بھی تھا اور اس کی نشانی بھی۔

اس دربدری کے باوجود بھی شاہ عالم نے بہار اور بنگال پر اپنا اقتدار از سر نو قائم کرنے کی کئی کوششیں کی تھیں لیکن نواب بنگال نے ایسی ہر کوشش کو ناکام بنادیا تھا۔ یہ خاصی تعجب کی بات ہے کہ پانی پت کی لڑائی کے دوسرے ہی دن شاہ عالم اپنی سلطنت کی تقدیر سے لاپرواہو کر بہار کے قصبہ کے قریب انگریزوں کی ایک فوج سے ایک لڑائی لڑا تھا۔ اس کو شکست ہوئی اور اسے صلح کی درخواست کرنی پڑی پھر تین سال کے بعد جب شہنشاہ اور نواب اودھ نے معزول شدہ نواب قاسم علی (میر قاسم) کے معاملہ کی حمایت کی تو ان کی مشترکہ فوج کو بکسر کے مقام پر تباہ کن شکست کا منہ دیکھنا پڑا انگریزوں کا پنشن خوار اور شجاع الدولہ ان کا نائب ہوگیا۔ اس طرح شاہ عالم ایک بیرونی طاقت کی اس شرمناک تابعداری کو ختم کرنے ہی کے لیے شاہ عالم نے مرہٹوں کی محافظت منظور کی تھی اور ان کی ہمراہی میں الہ آباد کو ترک کیا تھا۔

مرہٹے اب اس حالت میں تھے کہ دلی کے معاملات پر اپنا اقتدار استعمال کرسکیں لیکن چوتھے پیشوا مادھوراؤ کے ۱۷۷۲ء میں انتقال کے بعد پونا جانشینی کے ان فسادات میں ڈوب گیا جن کا ہونا لازمی تھا۔ پیشوا کے چچا رگھوناتھ راؤ نرائن راؤ کو گدی سے اتارنے کے لیے سازشیں کرنے لگا۔ بہت آسانی سے اس نے غیر مطمئن عناصر کی حمایت جمع کرلی۔ پیشوا کے مشیر کاروان، اپنے آقائی قسمت کے بارے میں تقریباً بے تعلق سے تھے۔ پہرہ داران جو محل کی پاسبانی کرتے تھے ان کو رشوت دے کر اپنے فرض سے غافل کردیا گیا۔ پیشوا نے کوئی احتیاط نہیں برتی اور اپنے عہدے پر فائز ہونے کے نو ماہ کے اندر وہ بے رحمی کے ساتھ قتل کردیا گیا۔

خانہ جنگی کا آغاز ہوا اور رگھوناتھ رائو (رگھوبا) نے انگریزوں سے مسلح امداد حاصل کرنے کے شرائط پر گفتگو شروع کی۔ اب برتن چولہے تک پہنچ گیا تھا، تمام مرہٹہ سردار اس نزاع میں شریک تھے۔ ان کے دکن کے ہمسایے نظام حیدرآباد اور حیدر علی کسی نہ کسی طرفداری جیسا ان کے مفاد کا تقاضا ہوتا کرتے رہتے تھے حتیٰ کہ فرانسیسی بھی اس نزاع میں کود کر

آگئے آخرکار صلح سیبائی نے اس طویل جنگ کا خاتمہ کیا۔

اس تمام ہلچل اور ہنگاموں کے دوران میں مرہٹوں کو شمال کے معاملات پر نظر ڈالنے کی مہلت نہیں ملی۔ دلّی کو اس کے حال پر چھوڑ دیا گیا۔ نجف خاں جس نے فنون جنگ انگریزوں کی صحبت میں بنگال میں سیکھا تھا اور جس پر ان کا لطف و کرم بھی تھا اور جس کو ان کی حمایت بھی حاصل تھی دلی کا حقیقی معنوں میں حکمران ہوگیا۔ اگرچہ اس میں سول انتظامات کو چلانے کی ضروری اہلیت نہ تھی پھر بھی اس نے اتنا کیا کہ مملکت کے جو اجزا باقی رہ گئے تھے ان کو دشمنوں کے ان حملوں کے خلاف جو سیلاب کی طرح چاروں طرف سے اُمڈ رہے تھے محفوظ اور یکجا رکھ سکا۔

1782ء میں نجف خاں کا انتقال ہوگیا اس کے نائبوں نے ایجنٹ ہونے کے لیے کنٹرول کی سی لڑائی لڑنا شروع کر دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب باہر نکل گئے اور مرہٹوں کے لیے میدان کھلا چھوڑ دیا۔ ان کا افسر اعلیٰ مادھو جی سندھیا دکن کی لڑائیوں سے آزاد ہو کر اب اس پوزیشن میں تھا کہ شمال کے معاملات پر توجہ دے سکے جانشینی کی لڑائی نے مرہٹی نظام کی جڑیں ہلا دی تھیں۔ پیشوا کا اقتدار جو وفاقی جماعتوں کے ایک گروہ کو ایک مرکزی رشتہ میں جوڑے ہوئے تھا کمزور ہوگیا تھا اور سندھیا، ہولکر، گائیکواڑ اور بھونسلے جیسے سردار اسی طرح خود مختار صوبائی حکمران بن گئے تھے جس طرح دکن بنگال اور اودھ کے مغل صوبہ داران تھے مہادجی کا منصوبہ تھا کہ وہ دلّی ذی شان مغل امیر الامرا کا کردار ادا کرے۔ نجف خاں کے نائبوں کی سازشوں اور روز روز کے جھگڑوں سے بادشاہ پریشان تھا اس نے مہادجی کو دعوت دی کہ وہ دلّی آ کر نظم و نسق کا چارج لے لے۔

انگریز جو دلّی کے حالات کا بغور مطالعہ کر رہے تھے اور جو اپنے خود منصوبے رکھتے تھے وہ اس طوفانی سمندر میں پھاندنے کے لیے تیار نہ تھے لیکن بادشاہ کو کون قابو میں رکھے اس بارے میں مرہٹوں اور انگریزوں کا تصادم تو ناگزیر تھا مرہٹوں سے زیادہ موقع شناس اور پُر وسائل برطانوی اس وقت تک حرکت کرنے کے لیے تیار نہ تھے جب تک اپنے منصوبے کی کامیابی کا مالی فوجی اور سیاسی ہر پہلو سے پورا اطمینان نہ ہو جائے۔ دوسری جانب مرہٹے بس دلّی کے طوفان خیز حالات میں کود ہی پڑے اور اس کی کچھ فکر ہی نہ کی کہ کتنے اخراجات کی ضرورت ہوگی۔ جو فوجیں مل سکیں گی وہ کافی بھی ہوں گی یا نہیں

اور جو سالمتی ہیں ان پر بھروسہ بھی کیا جاسکتا ہے یا نہیں جو تمغہ ان کو دیا گیا تھا بس اس کی چمک ہی نے ان کو اپنا گرویدہ کرلیا۔

اس لیے ایسا ہوا کہ مہادجی نے بادشاہ کی دعوت قبول کرلی وہ بادشاہ کے سامنے فتح پور سیکری کے پاس ان کے کیمپ میں حاضر ہوا۔ اپنا سر بادشاہ کے پیروں پر رکھ دیا اور 101 طلائی مہر (اشرفی) نذر پیش کی بادشاہ نے ان کو ایجنٹ (وکیل المطلق) کا عہدہ عطا کیا جس میں وزیر اعظم (وزیر) اور سپہ سالار اعظم (میر بخشی) کے دونوں عہدے شامل تھے (۱) پیشوا کی بالاتری کا حق نظر انداز کر دیا گیا۔ مہادجی کا حوصلہ پورا ہوگیا انھوں نے سلطنت مغلیہ کے سب سے اونچے عہدے پر قبضہ جمالیا اب یہ ان کے اختیارات میں تھا کہ صوبے کے گورنروں اونچے سے اونچے افسران کو مقرر اور برخاست کرسکیں جاگیریں عطا کریں وہ بادشاہ کا نائب اور معزز عہدیدار تھا۔ لیکن دراصل مہادجی نے بہت اونچی قیمت ادا کرکے ایک سستا نمائشی زیور خریدا تھا ایک بہت بڑی فوج دس لاکھ روپئے ماہوار کے خرچ سے رکھنی پڑتی تھی اور ان کو اس کے لیے سرمایہ ایک ایسی بوسیدہ مملکت سے حاصل کرنا تھا جو کئی بار روندی اور لوٹی جاچکی تھی۔ شاہی فرمان دلی اور آگرہ کے اضلاع کے باہر مشکل ہی سے جاتے تھے اور یہاں بھی شاہی قلمرو یا تو کسی کو دے دی گئی تھی یا ان لوگوں نے چھین لی تھی جو شاہی محاصل طاقت کے استعمال کے بغیر دینے سے انکار کرتے تھے مغل امرا ان کے خلاف سازشیں اور بغاوت کرتے تھے متلون مزاج اور بے وفا بادشاہ مسلسل ساتھ نہیں دیتا تھا۔ پیشوا کے دربار میں نانا فرنویس کے اثرات ان کے خلاف کام کر رہے تھے اور وطن کی حکومت جس کا فرض تھا کہ وہ میدانِ جنگ میں اپنے جنرلوں کی پوری پوری کفالت کرے، اس میں اس کے لیے نہ تو کوئی خواہش ہی تھی اور نہ اتنا پیسہ تھا کہ وہ مہادجی کی اس مشکل وقت میں پشت پناہی کرے (۲) جے پور کے راجہ نے مقررہ خراج ادا کرنے سے انکار کر دیا اور اپنا ایک نمائندہ انگریزوں سے مدد مانگنے کے لیے لکھنو بھیجا۔ مہادجی مجبور ہوا کہ فوجی کارروائی کرے لیکن تنخواہ کے بقایا اور

---

(۱) پیشوا کے دربار میں اس پر اس وقت بہت غصہ کا اظہار کیا گیا تھا جب سندھیا نے اس کی یہ تشریح کی تھی کہ وہ محض پیشوا کے نائب کی حیثیت سے یہ کام کر رہا ہے۔

(۲) سرکار جدوناتھ فال آف دی مغل امپائر جلد سوم صفحہ 282

فاقہ کشی کے ڈر کی وجہ سے مغل فوجوں میں جو غداری پیدا ہو گئی تھی اس نے ایک پریشان کن پوزیشن میں اُسے ڈال دیا وہ راجہ کو اطاعت پر مجبور کرنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

مغل امرا نے غلام قادر رُہیلہ کی قیادت میں مہادجی کی پریشانیوں سے فائدہ اٹھایا۔ متلون مزاج شاہ عالم معزول کر دیا گیا اس کو سخت اذیت دی گئی اور پھر وہ اندھا کر دیا گیا۔ لیکن اس درمیان میں مہادجی لال ساٹ کی شکست سے سنبھل گیا تھا اور اس نے پھر دلی پر قبضہ کر لیا۔ اندھے بادشاہ کو اس نے پھر تخت پر بٹھایا اور عزم کیا کہ حکومت کی انتظامی مشنری کی از سر نو تعمیر کرے اور نافرمان تعلقداروں اور زمینداروں کو زیر کرے تاکہ محاصل اور سرمائے کے جمع کرنے کا کام منظم ہو سکے اس طرح فوج اور پیشوا کی گورنمنٹ کے مسلسل مطالبات کو پورا کیا جا سکے۔ لیکن مہادجی کے بہت سے دشمن تھے جو رُکاوٹ ڈالتے تھے: یعنی افغان روہیلہ مغل امرا راجستھان کے رجواڑے اور کرائے کی سرکش فوج جو ہمیشہ طوفان خیز لہروں میں ہی شکار ماہی میں مسرت محسوس کرتی تھی۔ مرہٹہ سرداروں میں ہولکر ان کے رقیب تھے اور نانا فرنویس اُن کے بڑھتے ہوئے اقتدار اور اثر سے حسد رکھتے تھے نانا فرنویس نے میکیا ولی طرز کا ایک پلان بنایا۔ انھوں نے شمالی مملکتوں کو سندھیا ہولکر اور پیشوا کے نمائندے علی بہادر میں محاصل کی وصولی کے لیے تقسیم کر دیا۔ محاصل کی رقم جو ہر ایک کو ادا کرنے کے لیے مقرر کی گئی تھی وہ عمداً اتنی زیادہ رکھی گئی تھی کہ ان میں سے کوئی بھی اپنا پورا حصہ جمع نہ کر سکتا تھا۔ اور اس لیے تینوں مستقل طور پر تُو تُو میں میں (جھگڑا) کرتے رہتے تھے

اپنے دشمنوں اور ان کی سازشوں کے خلاف مہادجی کا ردعمل یہ تھا کہ ایک ایسی کثیر فوج تیار کی جائے جو امن و نظم قائم رکھ سکے۔ اور خراج اور مالگذاری وصول کر سکے۔ یہ فوج ڈی بوائن نے مہیا کی جو 1784ء میں ان سے آکر مل گیا تھا اس نے ایک ایسی فوج بھرتی کی جس کی تعداد ایک وقت میں 39 ہزار تک ہو گئی تھی۔ یہ صرف پیدل فوج تھی جس کی تربیت فرانس کے طرز پر کی گئی تھی اور جس کو توپوں کے دستوں سے طاقتور بنایا گیا تھا اور اسے توپوں اور بندوقوں سے جو یورپ کے باشندوں کی نگرانی میں اسلحہ خانوں کے اندر تیار کی گئی تھی مسلح کیا گیا تھا۔

اس نئی فوجی طاقت سے مہادجی نے میدان صاف کر دیا اور اپنے تمام دشمنوں پر جن میں ہولکر بھی شامل تھے فیصلہ کن فتح حاصل کی 1793ء تک وہ اپنی طاقت کے آخری عروج

تک پہنچ گیا۔ مرہٹوں میں اس کا نام اور اس کی شہرت ایسی ہوگئی تھی جس سے آگے آج
تک کوئی نہ جا سکا تھا لیکن ان کی فتح کا زمانہ ختم ہوگیا۔ ان کی موت سے مرہٹے اپنے آخری
اس شخص سے محروم ہوگئے جو فنِ سپہگری کا عظیم ماہر ہوتے ہوئے ایک عظیم مدبر بھی تھا۔

اس کے بعد کا زمانہ مکمل انتشار کا زمانہ ہے چاروں طرف لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں۔
مہادجی کا فرزند متبنیٰ دولت راؤ اور ان کی سوتیلی ماں آپس میں جھگڑنے لگے سندھیا سے سول
اور ملٹری افسران جو برہمن ذات کی مختلف شاخوں۔ دے شاستا اور شنوی کے تھے ایک
دوسرے کے خلاف سازش کرنے لگے۔ توکوجی ہولکر کے بیٹے اپنے باپ کی جائیداد کے لیے
برادر کشی کی جنگ میں مصروف ہوگئے۔ نوجوان پیشوا مادھورام دوم کی موت نے ان کی جانشینی
کے جھگڑے کھڑے کئے جس میں مرہٹہ سرداروں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ بنالیا۔
جو خانہ جنگی شروع ہوئی اس میں بشونت راؤ ہولکر اور جسونت راؤ سندھیا مخصوص
ہستیاں تھیں نانا فرنویس بہت پس وپیش اور اپنی اعلانیہ دشمنی رگھوبا کے لڑکے کو جنگ سے
باز رکھنے کی ناکام کوششوں کے بعد آخر کار انہی کے طرفدار ہوگئے۔ کولھاپور کے راجہ چھتر پتی
شیواجی اور بٹوردھن کے افسر اعلیٰ پرشوتم رام بابو میں ایک خوں ریز جنگ نے مزید پیچیدگیاں
پیدا کر دیں۔ دونوں لڑنے والوں کی فوجی کارروائیوں نے ملک کو خاکستر کر دیا۔ گاؤں گھوڑوں
کی ٹاپوں کے نیچے روندے گئے۔ قصبات لوٹ کر تباہ کر دیئے گئے۔ دولت مندوں کو ایک پر
ایک اذیت دی گئی اور غریب ناقابل بیان مصیبتوں میں گرفتار ہوئے مرہٹوں کے وطن میں
تاراج پھیل گیا۔

یہ لڑائی جو سب کی اور سب کے خلاف تھی انگریزوں کے لیے رحمتِ خداوندی تھی۔ انگریز
نپولین سے ٹکراؤ میں حیات وموت کی کشمکش میں مبتلا تھے۔ نپولین بڑی پھرتی سے بحرِ متوسط
کو پار کر کے ترکوں کو اہرام کے نیچے شکست دے کر آگے بڑھ کر شام کے حدود میں داخل
ہوچکا تھا۔ اس کے ایجنٹ روس اور مشرقی ممالک کو انگریزوں کے خلاف اکسا رہے تھے۔ اور
یہ سب کو معلوم تھا کہ ٹیپو سلطان اس سے خط وکتابت کر رہے ہیں۔ ایسے نازک موقع پر حکومت
برطانیہ نے ولزلی برادران کو اپنے مفاد کی حفاظت کے لیے ہندوستان بھیجا۔

کلکتہ میں اپنے عہدے کا چارج لینے کے فوراً بعد ولزلی نے مرہٹوں سے گفت وشنید اس
غرض سے شروع کی کہ ان کو خراج ادا کرنے والے حلیف بننے کے جال میں پھانسنے سے شروع

میں پیشوا نے اس قسم کی پیش کش پر کوئی توجہ نہیں دی لیکن جب بشونت راؤ ہولکر نے ان کو 1802ء میں شکست دی اور پونا سے باہر ڈھکیل دیا تو مجبوراً انھوں نے انگریزی کی سرپرستی کو قبول کر لیا وہ بھاگ کر بسین پہونچا اور وہاں ایک ایسے صلح نامہ پر دستخط کر دیے جس سے وہ برطانیہ کا تابع ہو گیا۔

اس طرح مرہٹوں کی مرکزی حکومت کا وجود ختم ہو گیا لیکن مرہٹہ سردار اب بھی طاقتور تھے لیکن یہ برطانیہ کی خوش قسمتی تھی کہ اس کی انتہائی سخت مصیبت کے زمانہ میں بھی مرہٹے اپنی بچی کھچی مملکت کو محفوظ کرنے کے لیے متحد نہ ہو سکے۔ نوشتہ تقدیر نے ان کی اسی حماقت کو نہیں بخشا ہولکر اور سندھیا الگ الگ انگریزوں سے لڑے اور دونوں کو کچل ڈالنے والی شکست کا سامنا کرنا پڑا۔

مہادجی سندھیا نے دکھن کی جانب روانہ ہونے سے پہلے بادشاہت کے نظم و نسق کا معقول انتظام کر دیا تھا۔ انھوں نے شاہ نظام الدین کو جو چشتیہ خاندان کے سب سے بڑے پیر تھے ایجنٹ مقرر کیا اور دلّی کے علاقے کو وصولی مالگذاری کے لیے چھ ضلعوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ بدقسمتی سے دلّی سے سندھیا کی طویل غیر حاضری مرہٹہ افسران کی رقابت، یورپین کمانڈروں کی بے وفائی ایجنٹ کی سخت گیری اور حرص اور مہم بازوں کی لوٹ اور غارت گری نے بادشاہ اور قوم کی زندگی کو ناقابل بیان حد تک مصیبت زدہ بنا دیا۔

جب ولزلی نے دولت راؤ کے خلاف اعلان جنگ کیا تو برطانوی افواج نے نہایت تیزی سے شمال اور دکھن دونوں جگہ مرہٹہ افواج کا محاصرہ کر لیا۔ شمال افواج کا کمانڈر لیک کوچ کرتا ہوا علی گڑھ پہنچا اور سندھیا کی فوجوں کو جو پیران کی کمانڈ میں تھیں تہس نہس کر دیا اس کے بعد وہ دلی کوچ کر گیا جس میں وہ 16 ستمبر 1803ء کو داخل ہوا۔ شہنشاہ شاہ عالم برطانیہ کی سرپرستی میں آ گیا اور عملاً مغل حکومت کا وجود ختم ہو گیا۔

دکن میں آرتھر ویلزلی نے (جو بعد کو ڈیوک آف ولنگٹن ہوا) سندھیا اور بھونسلہ کی فوجوں کو بالترتیب آسے اور آرگاؤں کے مقامات پر برباد کر دیا اور اس کے بعد گاوال گڑھ کے قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ دیوگاؤں اور سرجی۔ انجے گاؤں کے معاہدات صلح کے مطابق سندھیا اور بھونسلہ نے اپنی آزادی سے دست برداری پر دستخط ثبت کر دیے اس طرح شیواجی کا ہندو پد بادشاہی کا خواب معدوم ہو گیا۔